© rasailojaraid.com

تحقیق وتنقید

تصوف اور شیعیت

(۲)

ڈاکٹر محمد ذکی

صوفیہ کو "علم باطن" کی ضرورت اور اس سے دلچسپی؟

شیعہ فرقے نے جس دینی سرمائے کو رد کیا اسے دوسرے تمام مسلمان (یعنی اہل سنت والجماعت) صحیح اور قابل اعتبار مان کر پہلے ہی قبول کر چکے تھے۔ اور ان میں یہ عقیدہ راسخ ہوچکا تھا کہ دین اسلام مکمل ہو چکا، قیامت تک اب کوئی نبی آئے گا نہ کسی نئی آسمانی کتاب یا ہدایت کی ضرورت باقی ہے، اور مسلمانوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق دنیاوی زندگی گزارنے اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جن ہدایات کی ضرورت ہے وہ سب قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ ان ہدایات ہی کی روشنی میں علماء اور فقہاء نے جو ایک جامع دستور العمل تیار کیا وہ بہ شکل شریعت و فقہ موجود تھا، اور مسلمانوں کو مزید کسی نئی شریعت کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

صوفیہ کرام کی بھاری اکثریت کا تعلق مسلمانوں کے اسی طبقے سے تھا لیکن ان کے بہت سے عقائد و نظریات عام مسلمانوں سے مختلف تھے اور ان کا وضع کردہ خانقاہی نظام بھی اس نظام سے بہت مختلف تھا جسے علماء اور فقہاء نے ترتیب دیا تھا۔ تاہم صوفیہ کا کہنا تھا کہ تصوف اسلام سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ دین ہی کا ایک حصہ ہے اور اس کے تمام اصول قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہیں۔

اپنے اس موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے صوفیہ کرام ایک طریقہ تو وہ اختیار کر سکتے تھے جو شیعہ علماء نے اختیار کیا تھا یعنی یہ دعویٰ کرتے کہ علماء اور فقہاء نے جو قانون شریعت کے نام سے مرتب کیا ہے وہ قابل اعتبار نہیں بلکہ حقیقتاً قرآن وحدیث کے خلاف ہے، اور جس نظام کی تشکیل اکابر صوفیہ نے کی ہے وہی دراصل قرآن وسنت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبنی ہے۔ لیکن صوفیہ نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا، اور کر بھی نہیں سکتے تھے۔ اس کی دو وجہیں ہیں :

ایک تو یہ کہ اتنے بڑے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے جتنے مضبوط دلائل کی ضرورت ہے وہ صوفیہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔

دوسری یہ کہ اُن پر صریحاً شریعت یعنی قرآن و حدیث کی مخالفت کا الزام عائد ہو جاتا اور وہ اہل سنت کے دائرے سے خارج ہو جاتے اور سنّی حلقے اُن سے بدظن ہو جاتے۔

چنانچہ انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ ان کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور شریعت کی مخالفت کا الزام بھی عائد نہ ہو۔

پہلا کام تو ان بزرگوں نے یہ کیا کہ قرآن و سنت کی پیروی پر بہت زور دیا۔ تقریباً تمام مشائخ نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں کتاب و سنت کی پابندی کی تاکید کی ہے یہاں ہم چند اکابر صوفیہ کے تاکیدی اقوال نقل کرتے ہیں۔

(۱) تصوف کی اصل یہ چیزیں ہیں: کتاب و سنت کی پابندی......

(۲) ہمارے طریقہ کے اصول سات ہیں: کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنا، سنت کی پیروی.....

(۳) یہ علم (تصوف) کتاب و سنت سے مقید ہے، یعنی علم تصوف کتاب و سنت سے حاصل کیا جائے گا اور اسی کے مطابق عمل ہوگا اور جو شخص علماً و عملاً اس سے خارج ہو وہ زندیق (بے دین) ہے۔

(۴) راستہ واضح ہے اور کتاب و سنت ہمارے درمیان موجود ہے اور صحابہؓ کا فضل و شرف معلوم ہے..... ہم میں سے جس نے کتاب و سنت میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا... اس نے ابدی سعادت کا راستہ پالیا۔

(۵) اللہ تک پہنچانے والے راستے کا رہنما بجز متابعت رسولؐ کوئی اور نہیں ہے۔ متابعت آپؐ کے احوال، افعال اور اقوال سب میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

(۶) کتاب و سنت کو اپنے سامنے رکھو، تامل و تدبر کے ساتھ ان دونوں کا مطالعہ کرو انھیں دونوں کو اپنا دستور العمل بناؤ اور قال و قیل اور ہوا و ہوس سے دھوکا نہ کھاؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہمارا کوئی نبی نہیں کہ ہم اس کی پیروی کریں اور قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں کہ ہم اس پر عمل کریں۔ لہٰذا تم ان دونوں کے دائرے سے باہر نہ نکلو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔۔۔۔ سلامتی کتاب و سنت کے ساتھ ہے اور ہلاکت غیر کتاب و سنت کے ساتھ۔

(۸) جس شخص نے قرآن و حدیث کے احکام نہیں سمجھے اور ان کا علم حاصل نہیں کیا تصوف میں اس کی اقتدا نہیں کی جا سکتی۔

(۹) جو شخص اپنے آپ کو آداب شریعت کا پابند کر دیتا ہے، اللہ اس کے قلب کو نور معرفت سے روشن کر دیتا ہے اور حبیب خدا کی متابعت سے اشرف کوئی مقام نہیں ہے۔

(۱۰) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کا اتباع، عبادات، عادات و اخلاق اور اعتقادات سب میں لازم ہے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ ان کی سنت اور طریقے کے خلاف ہے وہ باطل ہے[۱]۔

صوفیاء کرام نے اس پر جس طرح عمل کیا اس کی شہادت شیخ شہاب الدین سہروردی جیسے بزرگ نے یوں دی ہے :-

"صوفیائے کرام مسلمانوں کی وہ جماعت ہے جو اتباعِ رسولؐ میں سب سے زیادہ کامیاب ہوئی ہے کیوں کہ انھوں نے آپ کے اقوال کی مکمل پیروی کی ہے۔ آپ نے جس بات کا حکم دیا انھوں نے اس کی تعمیل کی اور جس بات سے روکا اس سے باز رہے[۲]۔"

اس قسم کے بیانات اور شہادتوں نے سُنّی حلقوں میں صوفیہ کرام کا اعتبار قائم کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کی دنیا سے بے نیازی، عبادت و ریاضت میں انہماک، ان کے تقدس، زہد اور تقویٰ کی شہرت اور کرامات کی داستانوں نے لوگوں کے دلوں کو مسحور اور ان کی پوزیشن کو بہت مستحکم کر دیا۔

دوسرا بڑا کام صوفیۂ کرام نے یہ کیا کہ مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ بلاشبہ شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن اس کے ذریعہ صرف ظاہری پاکیزگی حاصل ہو سکتی ہے، انسان کا صرف

---

[۱] مولانا عروج قادری نے "اسلامی تصوف" (۱۶ — ۲۳) میں یہ اقوال نقل کیے ہیں۔

[۲] عوارف ص ۸۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہر درست ہو سکتا ہے باطن نہیں۔ مثلاً غسل اور وضو سے جسم تو پاک ہو جاتا ہے دل پاک و صاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح مقررہ شرائط وارکان کے ساتھ اگر نماز ادا کی جائے تو از روئے شریعت اللہ کے حکم کی تعمیل ہو گئی لیکن کیا حضور قلب اور خشوع وخضوع کے بغیر بھی نماز ادا ہو سکتی ہے اور کیا اس سے آخرت میں کوئی فائدہ حاصل ہو سکے گا؟ اسی بات کو امام غزالیؒ نے اس طرح سمجھایا ہے:۔

"اگر کوئی شخص نماز اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرے، مگر تکبیر اولیٰ کے علاوہ شروع سے آخر تک پوری نماز میں غافل رہے اور کاروباری معاملات میں غور وفکر کرتا رہے، تو فقیہ یہی کہے گا کہ اس کی نماز ادا ہو گئی حالانکہ آخرت میں اس نماز سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا..... فقیہ خشوع خضوع اور حضور دل کے درپے نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ یہ جانتا ہے کہ خشوع وخضوع اور استحضار قلب سے ظاہری عمل آخرت میں مفید ہوتا ہے"[1]

خشوع وخضوع کے حصول، باطنی اصلاح اور تصفیۂ قلب کے لیے کیا کیا جائے، امام صاحب کا مشورہ یہ ہے:

سب سے اہم اور ضروری علم جسے سب لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے وہ دل کی صفات کا علم ہے۔ یعنی یہ معلوم کرنا کہ ان میں سے کون سی صفت اچھی ہے اور کون سی بُری۔ ایسا کوئی انسان نہیں جو بُری صفات وعادات سے خالی ہو اور حرص وحسد، ریا وکبر اور عجب وغیرہ جیسی خصلتیں اس میں نہ ہوں۔ یہ سب عادات مہلک ہیں۔ ان کو نظر انداز کرنا اور ظاہری اعمال میں مشغول رہنا ایسا ہی ہے جیسے خارش یا پھوڑوں کے مرض میں صرف جسم کے ظاہری حصوں پر لیپ کر لے اور اندر کا فاسد مواد نکالنے میں تساہل برتے۔

نام نہاد علماء صرف اعمال ظاہری کو اہم بتلاتے ہیں ان سڑک چھاپ حکیموں کی طرح جو ظاہری بدن پر لیپ تجویز کرتے ہیں۔

---

[1] احیاء العلوم، (اردو، دیوبند) ج ۱، ص ۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمائے آخرت باطن کی صفائی کے طریقے بتلاتے ہیں اس طرح کہ شر کی جڑیں اکھڑ جائیں....

اس لیے :-

اگر آخرت کی نجات مقصود ہے اور ابدی ہلاکت سے بچنا منظور ہے تو باطنی بیماریوں کے علاج کی طرف دھیان دو۔[1]

اس طرح صوفیہ کرام نے دین کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔

(۱) شریعت، جس میں ظاہری اعمال اور ان کی اصلاح اور دنیاوی معاملات سے متعلق قوانین و ہدایات ہیں۔

(۲) طریقت[2] اکابر صوفیہ کا مرتب کردہ دستور العمل جس کے ذریعہ اصلاح باطن اور تصفیہ قلب اور آخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین کر دی کہ نجات اور اُخروی کامیابی کے لیے صرف شریعت پر عمل کرنا کافی نہیں ہے، کیونکہ اصلاح باطن سے متعلق احکام نہ تو شریعت میں ہیں نہ علماء و فقہاء ان سے واقف ہیں۔[3]

---

[1] احیاء علوم الدین۔ (اردو۔ دیوبند) ج ۱ ص ۱۰۴، ۱۰۵

[2] شیخ یحییٰ منیری نے یہ بات اس طرح واضح کی ہے۔

ظاہری طہارت، ظاہری تہذیب سے جس امر کو تعلق ہے وہ شریعت ہے اور تزکیہ باطن اور تصفیہ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔ کپڑے کو دھو کر ایسا پاک بنا لینا کہ اسے پہن کر نماز پڑھ سکیں یہ فعل شریعت ہے، اور دل کو پاک رکھنا کدورات بشری سے، یہ فعل طریقت ہے۔ مکتوبات صدی، ۸۲ (تصوف، ۱۳۲)

[3] بقول امام غزالی: جو چیزیں آخرت میں مفید ہوں گی وہ فن فقہ سے متعلق نہیں ہیں......... فقہائے دنیا کی نظر دنیا کی بہتری پر ہوتی ہے اور علمائے آخرت (صوفیہ) کی نظر آخرت کی بہتری پر۔ چنانچہ اگر کسی فقیہ سے توکل یا اخلاص کے متعلق پوچھا جائے، یا یہ سوال کیا جائے کہ ریا سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ تو وہ اس سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کرے گا۔

(احیاء العلوم، ج ۱/ ۶۱، ۶۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بات بھی سمجھا دی کہ شریعت سے زیادہ طریقت کا علم ضروری ہے یعنی طریقت شریعت سے افضل ہے[1]

رہا یہ سوال کہ جب شریعت یا اسلامی فقہ کی تدوین قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ہوئی ہے تو کیا اصلاح باطن اور تصفیہ قلب سے متعلق احکام قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہیں جنھیں علماء وفقہاء شریعت میں شامل کر لیتے؟ اگر ان دونوں ماخذ میں بھی نہیں ہیں تو پھر وہ کون سا ماخذ ہے جہاں سے باطنی معاملات کا علم حاصل ہوا یا ہو سکتا ہے؟

اس بارے میں صوفیہ کرام نے کیا فرمایا ہے بہتر ہو گا اگر ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے صوفیہ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی اس طرح کی ہے:۔

> دین محمدی کی دو حیثیتیں ہیں: ایک ظاہری اور دوسرے باطنی جہاں تک دین کی ظاہری حیثیت کا تعلق ہے اس کا مقصود مصلحت عامہ کی نگہداشت ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ وہ احکام ومعاملات جو اس مصلحت عامہ کے لیے بطور ذرائع اور اسباب کے ہیں ان کا قیام عمل میں لایا جائے اور ان کی اشاعت میں کوشش کی جائے اور جن چیزوں سے مصلحت عامہ پر زد پڑتی ہو اس کو سختی سے روکا جائے۔ یہ تو ہوئی دین کی ظاہری حیثیت۔ اب رہا اس کی باطنی حیثیت کا معاملہ تو نیکی اور طاعت کے کاموں سے دل پر جو اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کے احوال وکوائف کی تحصیل دین کی باطنی حیثیت کا مقصود اور نصب العین ہے.... وہ بزرگ جن کو خدا کی طرف سے حفاظت شریعت کی استعداد ملی تھی وہ تو دین کی ظاہری حیثیت کے محافظ بنے۔ یہ فقہاء، محدثین، غازیوں اور قاریوں کی جماعت ہے۔ دین کی تحریف میں اگر کہیں سے کوشش ہوتی ہے تو یہ لوگ اس کی تردید میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور تعلیم وترغیب کے ذریعہ مسلمانوں کو علوم دین کی تحصیل کی طرف متوجہ کرتے ہیں......

---

[1] امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر فقہ کا موازنہ علم طریق آخرت (یعنی صوفیہ کے علم) سے کیا جائے تو ثانی الذکر افضل ہے۔ احیاء العلوم ج ا ص ۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین کے محافظین کا دوسرا گروہ وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے باطنِ دین کی حفاظت کی۔ طاعت اور نیکو کاری کے اعمال سے باطن نفس میں جو اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور دلوں کو ان سے جو لذت ملتی ہے، یہ بزرگ لوگوں کو ان امور کی دعوت دیتے ہیں۔[۱]

ان دونوں گروہوں کے مآخذ علم کی نشان دہی اس طرح کی ہے:

اللہ تک پہنچانے والے راستے دو قسم کے ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جس کی وحی الٰہی اور تعلیمات انبیاء نے تلقین فرمائی۔۔۔۔ اور دوسری وہ ہے جسے الہام اور معارف اولیاء نے متعین کیا ہے۔[۲]

دوسرے الفاظ میں:

خدا رسیدگی کے دو راستے ہیں: ایک راستہ تو وہ ہے جو نبی کے واسطہ سے خلق تک پہنچا۔۔۔۔ دوسرا وہ ہے جو اللہ اور اس کے بندہ کے درمیان ہے۔۔۔۔ اصلاً اس طریقہ میں کوئی بھی درمیانی واسطہ نہیں ہے۔[۳]

صوفیہ کرام نے جس علم کو "علم آخرت" یا دل کی کیفیات کے علم سے تعبیر کیا ہے اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام حاصل ہوتا ہے (قرآن وحدیث سے نہیں)۔ اس علم کو "علم مکاشفہ" اسی لیے کہا جاتا ہے، اور چونکہ اس کا تعلق باطن سے ہے اس لیے اسے "علم باطن" بھی کہتے ہیں۔ امام غزالی نے اس پر کافی تفصیلی کلام کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اس علم (یعنی علم مکاشفہ) کا نام علم باطن بھی ہے۔ یہ علم دوسرے علوم کی غایت اور منتہا ہے۔۔۔۔ یہ علم صدیقین اور مقربین کا علم ہے۔

علم مکاشفہ ایک نور کا نام ہے۔ جب دل برائیوں سے پاک وصاف ہوتا ہے تو یہ نور ظاہر ہوتا ہے۔ اس نور سے آدمی پر ایسی بہت سی باتیں

۱؎ ہمعات ص ۲

۲؎ التفہیمات الالٰہیہ، ص ۲۸

۳؎ فیوض الحرمین، ص ۵۰ (تصوف ۱۳۳، ۱۳۳-۱۳۴، ۱۳۷-۱۳۸)

۱۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منکشف ہوتی ہیں جن کا وہ پہلے نام سنا کرتا تھا ..... یہاں تک کہ اسے خدائے پاک کی ذات، اس کی دائمی صفاتِ کمال ..... نبوت اور نبی کے معنیٰ، وحی ملائکہ اور شیاطین کی حقیقت، انسان سے شیطانی قوتوں کی دشمنی کی کیفیت .... دل اور اس میں فرشتوں اور شیطانوں کی جنگ کی کیفیت، فرشتے کے الہام والقاء اور شیطان کے وسوسوں کا فرق، آخرت، جنت، دوزخ .... اور دوسرے بے شمار امور کی صحیح معرفت اسی نور سے حاصل ہوتی ہے۔

علم مکاشفہ سے ہم وہی علم مراد لے رہے ہیں جس کی مدد سے یہ امور منکشف ہو جائیں، اور حق واضح ہو جائے، اتنا واضح ہو جائے گویا آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا رہا ہو..... لیکن یہ اسی وقت ہے جبکہ اس کے آئینہ خانۂ دل پر دنیاوی آلائشوں کے زنگ کی تہیں نہ جمی ہوئی ہوں۔

علم طریق آخرت سے ہم یہی علم مراد لیتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آئینۂ دل سے ان آلائشوں کا زنگ کس طرح صیقل کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اور افعال کی معرفت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

دل کا آئینہ اسی وقت صاف شفاف ہو سکتا ہے جب انسان شہوتوں سے باز رہے اور ہر معاملے میں انبیاء علیہم السّلام کی اتباع کرے.... مگر اس عمل کے لیے بھی ریاضت اور تعلیم ضروری ہے ......

یہ وہ علم ہے جو کتابوں میں نہیں لکھا جاتا جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس علم کا کچھ حصہ عطا کر دیتا ہے وہ اس کا ذکر دوسروں سے نہیں کرتا، البتہ ان سے ضرور کہہ دیتا ہے جو اس کے اہل ہوں۔ وہ اس کے شریکِ راز ہوتے ہیں[1]

اس علم کے دروازے صرف اولیاء کرام یعنی اکابر صوفیہ پر ہی کھلتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ ان سے بلا واسطہ کلام فرماتا ہے اس لیے ان پر جو کچھ الہام یا منکشف ہوتا ہے وہ حق ہی

---

[1] احیاء العلوم، ج ۱، ص ۶۴-۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کی غلطی یا شک وشبہ کی گنجائش نہیں ۔ شیخ ہجویری فرماتے ہیں:

(وہ) خداوند تعالی کے اولیاء ہیں جنھیں دوستی اور ولایت سے خاص گردانا گیا ہے ..... اور طبعی آفتوں سے انھیں پاک گردانا گیا ہے اور نیز نفس اور ہوا کی پیروی سے اُن کو خلاصی دی ہوئی ہے[1]

گویا یہ بھی انبیاء کی طرح پاک اور معصوم ہوتے ہیں اور ان کے بیانات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ان بزرگوں کو جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی وسعت کا اندازہ حضرت شبلی کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے:

کسی تاریک رات میں سخت چٹان پر اگر کوئی سیاہ چیونٹی رینگے اور میں اس سے واقف یا باخبر نہ ہوں تو یہ کہوں گا میرے ساتھ دھوکا کیا گیا[2]

شاہ ولی اللہ صاحب اپنے بڑے چچا شیخ ابوالرضا محمد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے:

بخدا اگر زمین کے نچلے طبق میں ایک چیونٹی ہو اور اس کے دل میں سو خیالات آئیں تو اس کے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں، اور حق تعالی سو کے سو کو جانتا ہے[3]

اس کے علاوہ ان بزرگوں کو غیر معمولی طاقت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ ایک بزرگ ابراہیم الدسوقی کا بیان ہے:

جب میں چھ برس کا تھا تو اللہ تعالی نے جو کچھ آسمان کی پہنائیوں میں ہے اس کا مجھے مشاہدہ کرایا۔ جب میں آٹھ سال کا ہوا تو میں نے لوح محفوظ کو دیکھ کر اس کا اندازہ کر لیا اور جب نو سال کی عمر کو پہنچا تو آسمان کے طلسم کو میں نے توڑ دیا اور جب چودہ برس کی میری عمر ہوئی تو میں نے سبع مثانی میں ایک مبہم غیر معرب کلمہ دیکھا جس میں جملہ جن وانس حیران و سرگرداں تھے۔ میں نے اسے سمجھ لیا اور اس کی معرفت پر اللہ تعالی کا

---

[1] کشف المحجوب، ۲۶۴

[2] شطحات الصوفیہ، ج ۱، ص ۲۴ (تصوف، ۱۴۹)

[3] انفاس العارفین، ۹۵ (تصوف، ۱۵۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکر ادا کیا۔ جو ساکن تھا میں نے اسے حرکت دی، اور جو متحرک تھا میں نے
اسے خدا کے حکم سے ساکن بنایا اور اللہ رب العالمین کا شکر ہے۔[1]

تصوف میں اولیاء کی پوزیشن تقریباً وہی ہے جو شیعیت میں ائمہ کی ہے۔ انھیں بھی لامحدود علم کے ساتھ اسی نوع کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ سے منسوب روایت ہے:

ہمارے رب نے ہمیں "اسم اعظم" کا علم دیا ہے جس کی وجہ سے اگر ہم چاہیں تو آسمان و زمین اور جنّت و جہنم کے ٹکڑے کر دیں۔ اسی کی طاقت سے ہم آسمان پر چڑھتے اور زمین پر اترتے ہیں مشرق و مغرب کا سفر کرتے ہیں یہاں تک کہ عرش الٰہی تک پہنچ جاتے ہیں اور اللہ کے روبرو اس پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر وہ ہم کو تمام چیزیں عطا فرما دیتا ہے یہاں تک کہ آسمان و زمین، شمس و قمر، ستارے، پہاڑ، درخت، راستے، سمندر اور جنت دوزخ بھی۔[2]

آپ نے ملاحظہ فرمایا، تصوّف اور شیعیت میں کتنی مشابہت ہے۔

(۱) شیعوں نے اہل سنت کی مرتب شریعت کو "ناقابل اعتبار" ٹھیرا کر رد کر دیا، صوفیہ نے اسے ناکافی قرار دے کر اس کا کچھ ہی حصہ قبول کیا۔

(۲) شیعہ علماء کا کہنا ہے کہ رسول کے دو منصب ہوتے ہیں، بہ حیثیت رسول دین کے ظاہری پہلو سے متعلق احکامات بندوں تک پہنچانا؛ دوسرا دین کے باطنی پہلو اور اسرار دین کے علم سے صرف مخصوص لوگوں کو آشنا کرنا۔ صوفیہ کا بھی یہی کہنا ہے۔

(۳) شیعوں کے نزدیک رسولوں کے وارث ائمہ ہوتے تھے جو علم ظاہر و علم باطن کے امین ہوتے تھے۔ ان کا منصب بالخصوص باطنی علم کی مخصوص لوگوں کو تعلیم دینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ آپ کے اس علم کے وارث ہوئے اور ان ہی سے یہ سلسلہ آگے چلا۔ صوفیہ کرام کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

(۴) قرآن و حدیث کے علم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مخصوص علم

---

[1] الطبقات الکبریٰ، ج ۱، صـ۱۸۳ (تصوف، ۱۵۰)

[2] شیعی اسلام، ۱۵۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بذریعہ الہام بھی ائمہ کو حاصل ہوتا رہا ہے۔ صوفیہ کرام بھی اولیاء کے بارے میں یہی کہتے ہیں[1]

(۵) شیعہ عقیدے کے مطابق ائمہ معصوم ہیں، لہٰذا دین کے بارے میں وہ جو ہدایت دیں وہ صحیح ہیں ان کے قول کے لیے کسی سند کی ضرورت نہیں، وہ خود سند ہیں۔ صوفیہ کرام کا بھی اولیاء کے بارے میں یہی عقیدہ ہے کہ وہ خطا سے پاک اور خود سند ہیں[2]

صوفیاء کے مشہور ائمہ اور مشائخ کا تعلق شیعیت سے

یہ بھی کتنا عجیب "اتفاق" ہے کہ شیعہ جن حضرات کو امام مانتے ہیں صوفیہ بھی تصوف میں انھیں امام و پیشوا مانتے ہیں، ان کے بارے میں جو عقیدہ شیعوں کا ہے قریب قریب وہی صوفیہ کا ہے، شیعہ علماء کا دعویٰ ہے کہ ائمہ اہل بیت کے علوم کے وارث ہم ہیں اور صوفیاء کہتے ہیں کہ ہم ہیں، ان ائمہ سے جتنی عقیدت شیعوں کو ہے صوفیاء کرام کو اس سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔

شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو اپنا سب سے پہلا امام مانتے ہیں۔ صوفیاء بھی ان ہی کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں کہ:۔

> حضرت علیؓ مصیبت کے دریا کے غریق اور محبت کی آگ کے حریق اور تمام اولیاء اور اصفیاء کے مقتدا (ہیں) آپ کی اس راستے میں بہت بڑی شان ہے اور بہت ہی بڑا درجہ ہے اور حقیقت کے اصول کی عبارتوں کی توضیح کرنے میں بے نظیر ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی شان میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ اصول اور مصیبتوں میں علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ یعنی ہمارے امام معاملات اور طریقت کے علم میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں...... پس اہل طریقت کے لیے لازمی ہے کہ عبارات کی حقیقتوں اور اشارات کی باریکیوں اور دنیا و آخرت

---

[1] مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

[2] شیخ ہجویری فرماتے ہیں پس خداوند تعالیٰ نے برہان نبوی کو آج کے دن تک باقی رکھا اور اولیاء اللہ کو اس کے اظہار کا سبب گردانا ہے تاکہ ہمیشہ خدا کی آیتیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیلیں ظاہر ہوں۔ کشف المحجوب ج ا ص ۵۸-۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تجرید اور خدا کی تقدیر کے نظارہ میں اس کی اقتدا کریں...

دوسرے امام حضرت حسنؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ کی اس طریقہ میں نظر کامل تھی اور اس معنیٰ کی عبارتوں کے دقائق میں آپ کو حظ وافر ملا ہوا تھا۔

شیخ علی ہجویری نے خواجہ حسن بصری کا ایک خط حضرت حسنؓ کے نام نقل کیا ہے جس میں خواجہ صاحب حضرت حسنؓ سے خطاب کرتے ہیں کہ تم

علم اور دین کے امام ہو جو شخص تمہاری فرماں برداری کرے گا نجات پائے گا۔ آپ کا علم اللہ عزوجل کی تعلیم سے ہے اور آپ کا محافظ اللہ عزوجل ہے اور آپ اللہ عزوجل کے حکم سے مخلوقات کے محافظ ہیں

تیسرے امام حضرت حسینؓ کو خراج عقیدت اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

آپ شاندار اولیاء سے ہیں اور اہل بلا کے قبلہ ہیں اور کربلا کے قتیل ہیں اور اہل طریقت ان کے حال کی درستی پر اتفاق رکھتے ہیں۔

چوتھے امام حضرت زین العابدین کی شان میں کہا گیا ہے۔

نبوت کے وارث اور امت کے چراغ اور سردار مظلوم اور امام مرحوم اور بندوں کی زینت اور اوتادوں کی شمع ہیں اور نیز تمام زمانہ کے لوگوں سے زیادہ عبادت کرنے والے ہیں۔ آپ حقائق کے کشف اور باریکیوں کے بیان کرنے میں مشہور ہیں۔

پانچویں امام حضرت باقر کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

آپ معاملات کی حجت اور ارباب مشاہدہ کے برہان اور نبیؐ کی اولاد کے امام اور علیؓ کی نسل سے برگزیدہ ہیں۔ آپ علوم کی باریکیوں اور خدا تعالیٰ کی کتاب کے لطیف اشاروں کے بیان کرنے میں مخصوص تھے۔ آپ کی کرامات مشہور ہیں۔

چھٹے امام جعفر صادق کو خراج عقیدت اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

اور ان اہل بیت سے سنت کا یوسف اور طریقت کا جمال اور معرفت کا معبّر اور تصوف کا آراستہ کرنے والا..... آپ بلند حال اور نیک سیرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے ہیں.... نیز طریقت کے بیان میں آپ کی کتابیں مشہور ہیں[۱]
خواجہ عطار نے تو اپنی کتاب کی ابتداہی امام جعفر الصادق کے ذکر سے کی ہے اور بارہ اماموں سے اپنی دلی عقیدت کا اظہار جن الفاظ میں کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں:

> آپ کے مناقب اور کرامتوں کے متعلق جو کچھ بھی تحریر کیا جائے بہت کم ہے۔ آپ امتِ محمدی کے لیے صرف بادشاہ اور حجتِ نبوی کے لیے روشن دلیل ہی نہیں بلکہ صدق و تحقیق پر عمل پیرا۔ اولیاء کرام کے باغ کا پھل، آلِ نبی، نبیوں کے سردار کے جگر گوشے اور صحیح معنوں میں وارث نبی بھی ہیں اور آپ کی عظمت و شان کے اعتبار سے ان خطابات کو کسی طرح بھی نامناسب نہیں کہا جا سکتا۔
>
> آپ کا درجہ صحابۂ کرام کے بعد ہی آتا ہے لیکن اہلِ بیت میں شامل ہونے کی وجہ سے نہ صرف باب طریقت ہی میں آپ سے ارشادات منقول ہیں بلکہ بہت سی روایات بھی مروی ہیں.... جو لوگ آپ کے طریقہ پر عمل پیرا ہیں وہ بارہ اماموں کے مسلک پر گامزن ہیں کیونکہ آپ کا مسلک بارہ اماموں کی طریقت کا قائم مقام ہے۔ اور اگر صرف تنہا آپ ہی کے حالات و مناقب بیان کر دیئے جائیں تو بارہ اماموں کے مناقب کا ذکر تصور کیا جائے گا۔
>
> آپ نہ صرف مجموعۂ کمالات اور پیشوائے طریقت کے مشائخ ہیں بلکہ اربابِ ذوق اور عاشقانِ طریقت اور زاہدانِ عالی مقام کے مقتدا بھی ہیں نیز آپ نے اپنی بہت سی تصانیف میں رازہائے طریقت کو بڑے اچھے پیرائے میں واضح فرمایا ہے۔

کسی کو خواجہ حضرت حسن بصری صاحب کے اس بیان سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ شیعہ ہیں، اس کی آگے وضاحت کر دی ہے کہ موصوف کا تعلق سُنّی مسلک سے ہے۔

---

[۱] کشف المحجوب، ۸۴-۹۹ دوسرے ائمہ کا ذکر مصنف نے اس لیے نہیں کیا کیونکہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے ان کم فہم لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اہل سنت نعوذ باللہ اہل بیت سے دشمنی رکھتے ہیں۔ جب کہ صحیح معنوں میں اہل سنت ہی اہل بیت سے محبت رکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے عقائد ہی میں یہ شئے داخل ہے کہ رسول خدا پر ایمان لانے کے بعد ان کی اولاد سے محبت کرنا لازم ہے[1]

"ائمہ اہل بیت" کے علاوہ صوفیہ کو صحابہ کرام میں سے اصحاب صفہ سے کچھ زیادہ ہی عقیدت ہے اور ان ہی کی پیروی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔

شیخ سہروردی اصحاب صفہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ تقریباً چار سو مرد تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کا کوئی کنبہ نہ تھا وہ سب مسجد نبوی میں (ایک چبوترے پر) رہتے تھے جیسا کہ صوفیا خانقاہوں میں رہتے ہیں۔ یہ اصحاب صفہ نہ زراعت کرتے تھے نہ دودھ دینے والے مویشی رکھتے تھے نہ تجارت کرتے تھے۔ وہ دن کو ایندھن جمع کرتے اور گٹھلیاں پھوڑتے، رات کو عبادت کرتے قرآن مجید سیکھتے اور اس کی تلاوت کرتے تھے[2]

نظامی صاحب نے اس پر اتنا اضافہ کرکے کہ :

زیادہ تر ان بزرگوں کی گذر اوقات صدقات پر ہوتی تھی۔ یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

اصحاب صفہ کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اکرم صلعم عبادت میں ہمہ وقت انہماک کو ایک خاصہ طبقہ کے لیے برا نہیں سمجھتے تھے[3]۔

اس طرح صوفیہ کرام کے لیے صدقات پر گذر اوقات کا جواز تو نکل آیا لیکن اس سے اہم اور قابل تحقیق بات یہ ہے کہ اگر اصحاب صفہ کو "دنیاوی معاملات سے .... کوئی سروکار نہ تھا"۔ تو کیوں ؟

کیا اس "حلقہ" میں شامل ہونے سے پہلے ان حضرات کے چمکتے ہوئے کاروبار تھے جنھیں "عبادت میں رکاوٹ سمجھ کر انھوں نے ترک کر دیا تھا یا چاہتے تو تجارت و زراعت کر سکتے تھے لیکن انھوں نے "صدقات" پر ہی گذر اوقات کو ترجیح دی ؟ اگر ان میں سے

---

[1] خواجہ صاحب نے امام جعفر صادق کے اور بھی بہت سے مناقب کئی صفحات میں بیان کیے ہیں۔

[2] عوارف ص۱۰۳، [3] مشایخ چشت ص۵۶، ۵۸ [4] ایضاً ص۵۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی بات بھی صحیح ہوتی تو شیخ ہجویری، شیخ سہروردی اور پروفیسر صاحب کا استدلال و استنباط صحیح ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ بات قرین قیاس اور تاریخی اعتبار سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو امام ابن تیمیہؒ نے فرمائی ہے کہ

صفہ مسجد نبوی میں ان غیر مستطیع اور نادار مہاجرین کے لیے بنایا گیا تھا جن کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا اور نہ مدینہ میں ان کے اعزہ واقارب ہی رہتے تھے جن کے یہاں وہ قیام کرتے۔ ہجرت کے ابتدائی دنوں میں ایسے ہی ہنگامی حالات تھے۔ بعد میں جن لوگوں کو کہیں جائے رہائش مل جاتی تھی وہ صفہ چھوڑ دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی[1] ..... جب مسلمانوں کو فتح و نصرت ملی اور فراوانی آئی تو انھوں نے صفہ چھوڑ دیا اور ان میں سے بعض صاحب جائداد بھی ہو گئے......

ان کی غربت اور تنگ حالی اگر اختیاری ہوتی اور انھوں نے ارادۃً ایسا کیا ہوتا تو ان کے متعلق "لا یستطیعون ضربا فی الارض" کہہ کر ان کی عدم استطاعت کو ظاہر نہ کیا جاتا (البقرہ: ۲۷۳)

مہاجرین میں سے خلفاء راشدین اور حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور گروہ انصار میں سے ایک فرد بھی اس سے متعلق نہ تھا[2]

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ صوفیہ نے اصحاب صفہ میں سے جن حضرات کا بطور نمونہ انتخاب کیا ہے ان کا شمار اساطین شیعیت میں ہوتا ہے، یعنی حضرت ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، عمارؓ اور مقدادؓ۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی تعریف میں شیخ ہجویری نے لکھا ہے کہ یہ زہد میں عیسیٰؑ صفت اور شوق میں موسیٰؑ صفت تھے۔ تاریخ طبری سے اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ دولت جمع کرنے کے معاملے میں تمام صحابہ سے انھیں اختلاف تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ شرعی مطالبات ادا کرنے کے بعد بھی کسی کو دولت اپنے پاس نہیں رکھنی چاہیئے۔ حضرت عثمانؓ نے انھیں سمجھایا کہ حکومت لوگوں کو اس سلسلے میں مجبور نہیں کر سکتی تو انھوں نے مدینہ سے باہر ایک مقام (ربذہ) میں

---

[1] الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان، ص ۳۰ (تصوف ۱۶) [2] تصوف، ص ۱۷-۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکونت کی اجازت مانگی جو انھیں دے دی گئی اور یہ وہاں سکونت پذیر ہوگئے جہاں ان کا وظیفہ انھیں ملتا رہا۔[1]

شیعہ حضرات کو ان سے عقیدت اس لیے ہے کہ ان کے نزدیک حضرت ابوذرؓ کے حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ سے تعلقات بہت کشیدہ ہوگئے تھے اور حضرت عثمانؓ نے انھیں مدینہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور ربذہ بھیج دیا۔ حضرت علیؓ نے، باوجود اس کے کہ حضرت عثمان نے منع کر دیا تھا، حضرت ابوذرؓ کو رخصت کیا اور اپنے دو صاحبزادوں کو بھی ہدایت کی کہ انھیں ربذہ تک چھوڑ آئیں[2]۔ حضرت ابوذرؓ کا حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہؓ سے اختلاف ہی ان کی شیعہ حلقے میں مقبولیت کا سبب بن گیا۔

حضرت سلمان فارسیؓ کو شیخ ہجویری نے "خداوند کریم کا دوست اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا محرم" بتایا ہے اور شیعوں کو ان سے عقیدت اس وجہ سے ہے کہ خلافت کے معاملہ میں انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت اور حضرت علیؓ کی حمایت کی تھی، نیز ان کا تعلق ایران سے تھا۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں شیخ ہجویری نے صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ "اصحاب اور ارباب زینت" کے برگزیدہ تھے۔ لیکن شیعہ حلقے میں ان کی شہرت و مقبولیت کا ایک سبب تو یہ تھا کہ یہ حضرت عثمانؓ کے سخت مخالف اور حضرت علیؓ کے حامی تھے، دوسرا اور زیادہ اہم سبب وہ حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ عمار بن یاسرؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ اسی بنا پر سُنّی حضرات نے انھیں معیارِ حق و باطل بنا لیا ہے۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے تھے اس لیے کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت امیر معاویہؓ کی فوج نے انھیں قتل کیا اس لیے وہ باغی ہوئے اور حضرت علیؓ حق پر تھے۔ اس حدیث نے شیعوں کی نظر میں حضرت عمارؓ کا مقام یقیناً بہت بلند کر دیا۔

شیعیت کے چوتھے ستون حضرت مقداد بن اسودؓ کے بارے میں شیخ ہجویری کا کہنا ہے کہ یہ تنہائی کے راستے کے سالک اور ذلت اور عیبوں سے منہ پھیرنے والے تھے۔ ان کا تصوف سے کیا تعلق یہ تو صوفیہ ہی سمجھ سکتے ہیں البتہ شیعوں کی عقیدت کا سبب ظاہر ہے، یہ کہ حضرت عثمانؓ کے مقابلے میں، یہ حضرت علیؓ کی خلافت کے حامی تھے۔ ان حضرات کے علاوہ حضرت بلالؓ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ شیخ ہجویری نے ان کے بارے

---

[1] طبری ج ۳ صد ۲۴۳-۳۴۳   [2] دیکھئے، اثنا عشری، صد ۷۱، ۷۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ خدائے جبار کی بارگاہ کے برگزیدہ منادی ہیں۔ شیعوں کو ان سے عقیدت اس بنا پر ہے کہ انھوں نے (اگرچہ حضرت علیؓ کی حمایت نہیں کی لیکن کم ازکم) حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔[۱]

اس سلسلے میں حذیفہ بن الیمانؓ کا نام بھی لیا گیا ہے۔[۲] شیعوں کے نزدیک انھوں نے حضرت علیؓ سے فیض حاصل کیا تھا اور حضرت علیؓ کے خلیفہ ہو جانے پر اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ حضرت علیؓ کی حمایت کریں۔[۳]

تابعین میں شیخ ہجویری نے حضرت اویس قرنی کو سرفہرست رکھا ہے اور خواجہ عطار نے امام جعفر صادق کے بعد ہی ان کا ذکر کیا ہے۔

شیخ ہجویری کے نزدیک یہ "امت کے آفتاب اور دین و ملت کی شمع" اور مشائخ تصوف کے اہلِ کبار سے ہوئے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے "مگر زیارت سے روکے گئے تھے۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ کہیں حضور کے دیدار کے غلبۂ شوق سے ہلاک نہ ہو جائیں اور دوسری وجہ والدہ کی خدمت کے حق کی بجا آوری منظور تھی"۔ شیخ صاحب نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اویس قرنی قیامت کے روز قبیلہ ربیعہ اور مضر کی بھیڑوں کے بالوں کے بقدر اس امت کے اشخاص کی شفاعت کریں گے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت عمرؓ اور علیؓ ان سے ملاقات کریں گے۔ آپ نے ان دونوں کو ہدایت فرمائی کہ جب ملاقات ہو تو آپ کا سلام پہنچائیں اور کہیں کہ اس امت کے لیے دعا کریں۔ نیز اپنا پیراہن بھی عطا فرمایا کہ یہ انھیں دے دیں۔

اپنے عہد خلافت میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ ان سے ملے، پیغام پہنچایا اور پیراہن بھی دیا۔ آگے کیا ہوا، خواجہ عطار کے الفاظ میں سنئے[۴]

---

[۱] اثنا عشری ص۵۷ [۲] مشائخ چشت ص۵۷ [۳] اثنا عشری، ص۷۲، ۷۵

[۴] روایت کی صحت کا ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اسے حضرت خواجہ عطار بیان فرما رہے ہیں، اہل تصوف اور بہت سے مورخوں نے ان کی کتاب کو مستند سمجھ کر یہ باتیں نقل کی ہیں۔ اس کی تائید کسی رخ سے قرآن و حدیث سے نہیں ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت اویس نے حضورؐ کا لباس مبارک کچھ فاصلے پر لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یارب جب تک تو میری سفارش پر امت محمدی کی مغفرت نہ کر دے گا میں سرکار دو عالم کا لباس ہرگز نہیں پہنوں گا کیونکہ تیرے نبی نے اپنی امت کو میرے حوالے کیا ہے۔ چنانچہ غیب کی آواز آئی کہ ہم نے تیری سفارش پر کچھ افراد کی مغفرت کر دی۔ لیکن آپ نے پھر عرض کیا کہ پورے امت کی مغفرت فرما دے۔ جواب ملا کہ ہم نے ایک ہزار افراد کی بخشش کر دی۔ اس طرح آپ مشغول دعا تھے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ آپ کے سامنے پہنچ گئے اور جب آپ نے سوال کیا کہ آپ دونوں حضرات کیوں آ گئے میں تو جب تک پوری امت کی مغفرت نہ کروا لیتا اس وقت تک یہ لباس کبھی نہ پہنتا۔

بعد میں انھوں نے لباس پہنا اور فرمایا کہ بنو ربیعہ اور بنو مضر کے قبیلوں کی بھیڑوں کے بالوں کے بقدر لوگوں کی اللہ نے مغفرت فرما دی۔ خواجہ صاحب نے حضرت عمرؓ اور حضرت اویس قرنی کی گفتگو کا جس طرح ذکر کیا ملاحظہ فرمائیں:۔

حضرت عمرؓ نے آپ کو ایسے کمبل کے لباس میں دیکھا جس کے نیچے تونگری کے ہزاروں عالم پوشیدہ تھے۔ یہ دیکھ کر آپ کے قلب میں خلافت سے دست برداری کی خواہش پیدا ہوئی اور فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص ہے جو روٹی کے ٹکڑے کے بدلے میں مجھ سے خلافت خرید لے۔ یہ سُن کر حضرت اویس نے کہا کہ کوئی بے وقوف شخص ہی خرید سکتا ہے۔ آپ کو تو فروخت کرنے کے بجائے اٹھا کر پھینک دینا چاہیے پھر جس کا جی چاہے اٹھا لے۔

یہ تو ہوئی خلافت کی خرید و فروخت کی بات۔ آگے دیکھیں۔

اور جب حضرت عمرؓ نے آپ سے حضور اکرمؐ کی زیارت نہ کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ اگر آپ دیدار نبیؐ سے مشرف ہوئے ہیں تو بتائیے کہ حضورؐ کے ابرو کشادہ تھے یا گھنے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن دونوں صحابہ جواب سے معذور رہے۔
حضرت اویس نے کہا کہ اگر آپ رسول کریمؐ کے دوستوں میں سے ہیں تو یہ بتایئے کہ جنگ احد میں حضورؐ کا کون سا دندان مبارک شہید ہوا تھا۔ اور آپ نے اتباع نبوی میں اپنے تمام دانت کیوں نہ توڑ ڈالے؟ یہ کہہ کر اپنے تمام ٹوٹے ہوئے دانت دکھا کر کہا کہ جب دانت مبارک شہید ہوا تو میں نے اپنا ایک دانت توڑ ڈالا پھر خیال آیا کہ شاید کوئی دوسرا دانت شہید ہوا ہو۔ اسی طرح ایک ایک کر کے جب تمام دانت توڑ ڈالے اس وقت مجھے سکون نصیب ہوا۔ یہ دیکھ کر دونوں صحابہ پر رقت طاری ہو گئی اور یہ اندازہ ہو گیا کہ پاس ادب کا حق یہی ہوتا ہے۔ گو حضرت اویس دیدار نبیؐ سے مشرف نہ ہو سکے لیکن اتباع رسالت کا مکمل حق ادا کر کے دنیا کو درس ادب دیتے ہوئے رخصت ہو گئے[1]

خواجہ صاحب نے حضرت عمرؓ کی "شان" میں جو کچھ فرمایا وہی کافی تھا پھر بھی جو کمی باقی رہ گئی تھی وہ شیعہ علماء نے پوری کر دی۔

ڈاکٹر رضوی کا کہنا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے خلافت بیچنے کی بات کہی تھی تو حضرت اویس نے فرمایا تھا۔

"اسے پھینک دو، تاکہ جو حقدار ہے (اشارہ حضرت علیؓ کی طرف) وہ اسے اٹھائے"۔

ایک اور شیعہ عالم (قاضی نور اللہ شوستری) نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ اویس قرنی کا منشا (دراصل) حضرت عمرؓ کی مذمت کرنا تھا کیونکہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے خلافت خریدی تھی اور پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کر دی۔ قاضی نور اللہ کا یہ کہنا بھی ہے کہ حضرت عمرؓ اگر خلوص دل سے خلافت بیچتے تو حضرت طلحہؓ، معاویہؓ اور زبیرؓ روٹی کا ٹکڑا تو کیا اپنی جانیں

---

[1] اسی قسم کے واقعات سے متاثر ہو کر پروفیسر نظامی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:
"شاید ہی دنیا میں کسی پیغمبر یا مذہبی رہنما کے احوال زندگی کا اتباع اس محبت، وارفتگی اور شیفتگی کے ساتھ کیا گیا ہو جیسا کہ صوفیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا تتبع کیا ہے۔ (مشائخ چشت ۱۱۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نذر کر دیتے تھے[1]

خواجہ عطار نے اویس قرنی اور حضرت عمرؓ کے بارے میں جتنا کچھ لکھ دیا ہے وہ شیعوں کے لیے کافی تھا لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات شیخ ہجویری نے یہ لکھی ہے:

آپ امیر المومنین علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ کی طرف سے دوسری مدمقابل افواج کے ساتھ لڑائی کرتے رہے۔ بالآخر آپ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

اسی بنا پر رضوی نے محمد بن ابی بکر کے بعد ہی خواجہ اویس کا ذکر کیا ہے۔

صوفیا کرام شیعہ علما کی نظر میں

خواجہ عطار اور دوسرے صوفیہ نے اس قسم کی خدمات انجام دے کر شیعہ حلقے میں بھی خاصی مقبولیت حاصل کرلی اور اس طرح تصوف کو شیعیت سے اتنا قریب کر دیا کہ خود بعض شیعہ علما نے کہہ دیا کہ صوفیا کرام دراصل شیعہ ہی تھے جو معرفت الٰہی میں ڈوبے ہوئے تھے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کے اسرار (علم باطن) کے امین تھے[2] اور یہ کہ حقیقتاً شیعیت اور تصوف میں کوئی فرق نہیں ہے[3]

---

[1] اثنا عشری، ج ۱، ص۳۴ ۔یہاں قاضی نور اللہ نے "ضمنا" حضرت طلحہؓ، معاویہؓ اور زبیرؓ کا ذکر کرکے کچھ تاریخی واقعات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ یعنی خلافت کا معاملہ ہی کچھ ایسا ہے اسی کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت ہوئی، انھیں شہید کیا گیا، جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئی اور کربلا کا بھی واقعہ پیش آیا اور ہزارہا مسلمانوں کی جانیں قربان ہوئیں۔

جہاں تک حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا تعلق ہے تو مشہور مورخ طبری کے بیان کے مطابق جب قاتلین حضرت عثمانؓ نے ان دونوں کو خلافت پیش کی تو انھوں نے اس خلافت سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا جو قاتلوں کے ذریعہ حاصل ہو۔ چنانچہ ان باغیوں اور قاتلوں نے حضرت علیؓ سے بھی یہی درخواست کی انھوں نے بھی انکار کر دیا، لیکن جب ان شرپسندوں نے حضرت علیؓ کو بھی قتل کر دینے کی دھمکی دی تو انھوں نے با دل ناخواستہ اس منصب کو سنبھال لیا۔ (طبری، ج ۴ ص ۲۸-۳۲)

[2] لیکن شیعہ علما نقش بندی صوفیہ کو اس زمرے میں شامل نہیں کرتے کیوں کہ ان کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ سے منسوب ہے۔ دیکھئے، اثنا عشری، ص۳۵۳

[3] شیعی اسلام، ۹۵ - ۹۶؛ اثنا عشری، ص۱۳۱، ۳۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیعہ صوفی سلسلے بھی حضرت معروف کرخی کے واسطے سے حضرت علیؓ پر ہی منتہی ہوتے ہیں۔ چونکہ صوفیہ کرام اور ان کے اصولوں کا شیعیت سے بڑا گہرا تعلق ہے، اسی بنا پر بعض شیعہ علماء کے نزدیک وہ تمام اکابر صوفیا جنھیں عام طور پر سنی سمجھا جاتا ہے دراصل شیعہ تھے۔ مثلاً حضرت شقیق بلخی، ابراہیم بن ادہم، معروف کرخی، سری سقطی، بشر بن الحارث، ابویزید بسطامی (جو کسی نہ کسی (شیعہ) امام کے دامن سے وابستہ بھی رہے تھے) شیخ جنید بغدادی، شبلی، حسین بن منصور حلاج، ابن عربی، شہاب الدین سہروردی، غزالی، نجم الدین کبریٰ، فرید الدین عطار، رومی، حافظ شیرازی، علاء الدولہ سمنانی، میر سید علی ہمدانی، سید محمد نوربخش وغیرہم۔

یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ان میں سے اکثر مصلحتاً تقیہ کرتے تھے اور خود کو سنّی ظاہر کرتے تھے اسی لیے پہلے تین خلفاء کی تعریف بھی کر دیتے تھے لیکن بعض حضرات تو اس طرح تعریف کرتے تھے کہ سنّی تو یہ سمجھتے کہ تعریف کی جارہی ہے لیکن حقیقتاً ان خلفاء کا مذاق اڑایا جاتا تھا، جیسا کہ خواجہ فرید الدین عطار نے کیا ہے۔[1]

پیر پرستی اور عقیدۂ ولایت و امامت

پیر پرستی کا مطلب ہے پیر کو اپنا حاکم اعلیٰ مان کر خود کو مکمل طور پر اس کے سپرد کر دینا، اس کی دل و جان سے اطاعت کرنا، سب سے بڑھ کر اس سے محبت و عقیدت رکھنا، سجدہ کی حد تک اس کی تعظیم کرنا، اسی سے ڈرنا اور اپنی تمام امیدیں اسی کے دامن اور آستانے سے وابستہ رکھنا۔ اور یہ عقیدہ بھی رکھنا کہ پیر اپنے مرید کے دل کا حال بھی جانتا ہے، اس کے احوال کا نگراں ہوتا ہے، محافظ و ناصر اور حاضر و ناظر ہوتا ہے۔ اسی کو عبادت یا پرستش کہتے ہیں۔

یہ "مسخ شدہ" تصوف کا اصول نہیں بلکہ "حقیقی تصوف" کی روح اور "ارتقاءِ روحانی" کا وہ راستہ ہے جو "صوفیاء خام" نے نہیں اکابر صوفیاء نے دکھایا ہے۔

---

[1] یہ کسی معمولی شیعہ عالم کا نہیں قاضی نوراللہ شوستری کا تحقیقی تجزیہ ہے۔ دیکھئے اثنا عشری ج ۱ ص ۳۵۲-۳۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صوفیاء کرام نے پیر کی ضرورت پر بہت زور راس کی صحبت کو لازمی قرار دیا ہے ان کے نزدیک کسی نہ کسی پیر کے دامن سے وابستہ ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا رسول یا امام پر ایمان لانا۔

شیعہ علماء کے عقیدے کے مطابق جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا اور اس کی اطاعت نہیں کی وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔[1]

اور صوفیاء کا کہنا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے[2] ان کے نزدیک شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے، شیخ سہروردی فرماتے ہیں:

> طریقۂ صوفیا میں شیخ کا مرتبہ ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ بلکہ خدائی دعوت کے سلسلے میں وہ پیغمبروں کی قائم مقامی کرتے ہیں......
>
> مشائخ خدا کے وقار کا ذریعہ ہیں اور وہی لوگوں کو ظاہری اور باطنی ادب سکھاتے ہیں.... مشائخ کو جب ہدایت حاصل ہوئی تو وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ ان کی پیروی کی جائے۔ انھیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنایا گیا..... یہی وہ لوگ ہیں جن کا کلام پیغمبروں کا کلام ہے.... خرقہ پوشی میں شیخ کا ہاتھ رسول اکرمؐ کے دست مبارک کی قائم مقامی کرتا ہے[3]

یہ بات ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اور مکمل اطاعت و پیروی کا حکم اس بنا پر دیا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں، آپ پر وحی نازل ہوئی اور یہ کہ آپ معصوم ہیں۔ صوفیاء کرام کو اس کا احساس ہے اسی لیے انھوں نے مشائخ کو بھی ان اوصاف سے متصف کر دیا ہے تاکہ مرید مکمل طور پر خود کو پیر کے سپرد کر دے چنانچہ شیخ سہروردی نے صراحت فرمادی ہے کہ شیخ کا تقرر خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

> جب مقررہ وقت آجائے تو وہ (یعنی شیخ) اپنی روحانی حالت پر قابو پالے

---

[1] شیعی اسلام، ص۱۵۸

[2] یہ قول شیخ ابو یزید کا ہے اور نقل کرنے والے شیخ شہاب الدین سہروردی۔ دیکھئے عوارف ص۱۳۵۔

[3] عوارف، ص ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اللہ تعالیٰ کے ذریعہ جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مریدوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے تو اس وقت وہ ان (یعنی مریدوں) سے اس طرح گفتگو کرے۔[1]

مرید پر اللہ کا سارا فضل شیخ کی بدولت ہوتا ہے اور شیخ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے:

شیخ مرید سے خرقہ پوشی کے شرائط بجالانے کا عہد لیتا ہے اور اسے خرقہ کے حقوق سے واقف کراتا ہے۔ لہٰذا شیخ مرید کے لیے ایک ایسی تصویر کے مانند ہے جس کے پس پردہ مرید کو مطالبات الٰہیہ اور مقاصد نبویہ کا عکس نظر آتا ہے اور مرید پر یہ اعتقاد راسخ ہو جاتا ہے کہ شیخ ایک ایسا دروازہ ہے جسے خداوند تعالیٰ اپنے آستانہ کرم کی طرف کھولتا ہے جہاں سے وہ داخل ہوتا ہے..... شیخ کے ذریعہ ہی اس کی تمام واردات اور تمام دینی اور دنیاوی کام انجام پاتے ہیں اور اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس پر خدا کا جو فضل و کرم نازل ہوتا ہے وہ شیخ کی بدولت ہے اور وہی اس کے بارے میں خدا سے اسی طرح رجوع کرتا ہے جس طرح کہ وہ خود شیخ کی طرف متوجہ ہے.....

شیخ..... مرید کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خدا کے پاس اسی طرح فریاد لے کر جاتا ہے جس طرح وہ اپنی دینی اور دنیاوی ضروریات اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اور پھر پردے کے پیچھے سے کلام ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

"کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے سوائے اس کے کہ وہ کلام وحی ہو، یا پردے کے پیچھے ہو یا وہ کوئی قاصد بھیجے۔"

لہٰذا قاصد بھیجنا (فرشتے) اور وحی پیغمبروں اور رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ پردے کے پیچھے بذریعہ الہام و ہاتف غیبی اور خواب وغیرہ میں

---

[1] عوارف ص ۲۱۹

[2] ایضاً ص ۱۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گفتگو ہو سکتی ہے جس کے مستحق مشائخ اور جلیل القدر اہل علم ہیں۔[۱]

شیخ کی عصمت:

شیخ مریدوں کے لیے الہام کا محافظ ہے جس طرح حضرت جبرئیل وحی کے محافظ تھے کہ وہ وحی میں خیانت نہیں کرتے تھے۔ اس طرح شیخ بھی الہام میں خیانت نہیں کرتا اور جس طرح رسول اللہ ؐ نفسانی خواہش کے مطابق گفتگو نہیں فرماتے تھے، اسی طرح شیخ بھی ظاہر و باطن میں آپ کی پیروی کرتا ہے اور نفسانی خواہش کے مطابق کلام نہیں کرتا...

لہٰذا جب شیخ زبان سے کچھ بولتا ہے تو اس وقت اس کا نفس خوابیدہ ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی نعمتوں کے مطالعہ میں مشغول رہ کر نفسانی غلبے کے فوائد یعنی خود بینی اور خود پسندی سے محروم رہتا ہے بلکہ خود شیخ کی زبان پر حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے جو کلمات صادر ہوتے ہیں، انھیں بھی وہ سامعین کی طرح غور سے سنتا ہے۔[۲]

دراصل اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرنا اور یہ کہنا "حدثنی قلبی عن ربی" (میرے قلب نے مجھے بتایا جو کچھ میرے رب نے اس سے فرمایا) ایک عام بات ہے اتنی عام کہ شیخ محی الدین ابن عربی کو یہ کہنا پڑا کہ:۔

"حدثنی قلبی عن ربی" کہنے والا باوجود بلند مرتبہ ہونے کے چونکہ اپنے اور اپنے خدا کے درمیان قلب کا واسطہ رکھتا ہے اس لیے اس شخص کے علمی مقام کو نہیں پہنچ سکتا جو یہ کہنے کی پوزیشن میں ہو کہ مجھ سے میرے رب نے براہِ راست خود فرمایا۔[۳]

اس طرح شیخ کو علم باطن حاصل ہوتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ وہ مرید کی تربیت اور نگرانی کرتا ہے۔ شیخ سہروردی کے الفاظ میں:

شیخ خداوند تعالیٰ سے صحیح نیاز مندی اور حسن استقامت کے

۱۔ عوارف، ص ۱۳۸ ۲۔ ایضاً، ص ۲۰۹-۲۱۰

۳۔ الفتوحات المکیہ، اول ص ۵۷ (تصوف ص ۱۳۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد جو علم باطن حاصل کرتا ہے اس کے ذریعے وہ اس (مرید) کی تربیت کرتا ہے اور اپنی زبردست بصیرت کے مطابق اس کے باطن کی نگرانی کرتا ہے[1]

جب پیر کو یہ مقام حاصل ہو گیا تو اس کی اطاعت مرید پر لازم ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم ہے اور ان ہی آداب کے ساتھ جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں:۔

خرقہ پوشی شیخ و مرید کے درمیان ایک قسم کا رابطہ ہے جس کے ذریعہ مرید شیخ کو اپنا حاکم تسلیم کرتا ہے جب دنیوی مسادات کے لیے شریعت میں حکم بنانا جائز ہے تو ایک منکر اس خرقہ کا کیسے انکار کر سکتا ہے جو ایک ایسے مخلص طالب حقیقت کو پہنایا جاتا ہے جو حسن ظن اور حسن عقیدت کے ساتھ شیخ کے پاس آکر اپنے مذہبی مفاد میں اسے اپنا رہبر بناتا ہے تاکہ وہ اسے راہِ ہدایت پر لائے اسے راہ فلاح کی شناخت کرائے اور بتائے کہ آفات نفس کیا ہیں، اعمال کیسے خراب ہو جاتے ہیں اور کن راستوں سے دشمن داخل ہوتا ہے[2] اس طرح وہ اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کی رائے اور مشورہ پر اپنے تمام معاملات میں سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اس لیے شیخ اس پر اپنے تصرفات باطنی کے اظہار کے لیے اسے خرقہ پہناتا ہے۔ چنانچہ خرقہ پوشی سپردگی اور تسلیم و رضا کی نشانی ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ وہ شیخ کے حکم کے ماتحت خدا اور اس کے رسول کے حکم کو تسلیم کرلے گا۔ بلکہ خرقہ کے ذریعے رسول اکرمؐ کی سنت بیعت کو زندہ کیا گیا ہے[3]۔

---

[1] عوارف، ص ۱۳۹ [2] امام غزالی کے بیان کے مطابق اسلامی فقہ (شریعت) کا ان امور سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ [3] عوارف، ص ۱۳۵/۱۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس احیاء سنت پر شیخ موصوف کا مزید تبصرہ:

تاہم یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس قسم کی خرقہ پوشی جس پر موجودہ زمانے میں مشائخ کا عمل ہے رسول اللہؐ کے زمانے میں نہیں تھی۔ مگر موجودہ صورت اور اس کے لیے تیار اور جمع ہونے کو مشائخ نے پسند فرمایا......

بہر حال اس سے زیادہ مکمل اتباع رسولؐ اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف مخلوق کو دعوت دی جائے[1] خداوند تعالیٰ نے اپنے قدیم کلام (قرآن مجید) میں ذکر کیا ہے کہ تمام مسلم قوم (امت) رسول اللہؐ کو اپنا حاکم تسلیم کرے۔ لہٰذا اگر کوئی مرید اپنے شیخ کو اپنا حاکم تسلیم کرتا ہے تو وہ تحکیم نبوی کی سنت کو زندہ کرتا ہے[2]

فنا فی الشیخ کی تعلیم یوں دی گئی ہے۔

چنانچہ جب کوئی مخلص مرید شیخ کے حکم کے تابع ہو جاتا اور اس کے ساتھ رہ کر اس کے آداب اختیار کرتا ہے تو شیخ کے باطن کی روحانی طاقت مرید کے باطن میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے جس طرح ایک چراغ دوسرے چراغ سے روشن ہوتا ہے.... یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب مرید اپنے آپ کو شیخ کے لیے وقف کر دے اور اپنے ذاتی ارادے کو چھوڑ کر قطعی طور پر شیخ کے اندر فنا ہو جائے۔

اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مرید۔

خدا کے حضور میں پہنچ جائے گا۔ اس وقت وہ خدا کا کلام اسی طرح سمجھنے لگے گا جس طرح شیخ کے کلام کو سمجھتا تھا[3]

اس سپردگی اور اطاعت کا یہ مطلب نہیں کہ مرید شیخ کی اطاعت صرف ان امور میں

---

[1] بات دعوت کی نہیں، خرقے کی ہو رہی ہے

[2] عوارف، ص ۱۳۷ [3] ایضاً ص ۱۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے جنھیں وہ کتاب وسنت کے مطابق سمجھتا ہے بلکہ اگر شیخ ایسی بات کا بھی حکم دے جو صریحًا قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو بھی بے چون وچرا تعمیل کرے۔ چنانچہ شیخ سہروردی کا ارشاد ہے:۔

خرقہ پوشی مشایخ پر اتہامات لگانے اور اعتراض کرنے سے روکتی ہے کیونکہ یہ مریدوں کے لیے مہلک زہر ہے اور وہ مرید جو شیخ کے تصرفات باطنی پر اعتراض کرتا ہے کامیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایک مرید صادق جب شیخ کے باطنی تصرفات کو نہیں سمجھ سکتا تو وہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرتا ہے [1]

حضرت شبلی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک شخص سے بیعت کے لیے یہ شرط رکھی ہے حضرت شبلی کے نام کا کلمہ پڑھے یعنی یہ کہے کہ شبلی رسول اللہ۔ اس نے ایسا ہی کیا [2]۔ یہ بات صریحًا قرآن وحدیث کے خلاف ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ حضرت شبلی کا مقصد مرید کے حسنِ عقیدت کا امتحان لینا تھا اس لیے حضرت شبلی نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک کیا [3]

دراصل اس معاملے میں تصوف کا اصول ہی یہ ہے کہ:

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا [4]

بہر حال ضروری نہیں کہ مرید شیخ کے نام کا کلمہ بھی پڑھے لیکن احترام اسی طرح کرے جس

---

[1] عوارف، ص ۱۳۷ [2] خواجہ معین الدین چشتی کے بارے میں بھی ایسی ہی "روایت" ہے۔ دیکھئے شیخ فرید الدین گنج شکر، فوائد السالکین، دہلی ۱۳۱۰ھ ص ۲۲ (تصوف ص ۱۶۵)

[3] فوائد الفواد ص ۴۳؛ سیر الاولیا، ص ۳۲۸۔ لیکن شیخ عبد الکریم جیلی نے اس کی کچھ زیادہ ہی زوردار تاویل کی ہے یعنی یہ کہ اس وقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شبلی کی شکل میں موجود تھے (تصوف ص ۱۶۵ بحوالہ۔ شیخ عبد الکریم جیلی، الانسان الکامل، مصر ۱۳۱۶ھ دوم، ص ۴۶) حضرت شبلی کے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ کتنی بھیانک توجیہ ہے؛ کیا اسے کتاب وسنت کی تعلیم سے کوئی مناسبت ہے؟

[4] وہ بات نہیں ہے جو نظامی صاحب نے یہ شعر نقل کرکے کہی ہے کہ اس شعر میں "بے راہ روی کا جواز تلاش" کیا جا سکتا ہے بلکہ اسی کی تو صوفیہ تعلیم دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح کہ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے تھے۔ شیخ سہروردی فرماتے ہیں:

صوفیہ کے نزدیک مشائخ کے ساتھ مریدوں کے آداب کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس معاملے میں وہ بھی رسول اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کے عمل کی پیروی کرتے ہیں۔

آگے شیخ صاحب نے چند مثالیں بیان کی ہیں: قرآن میں ارشاد ہے:

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ..... (الحجرات)

یہی طرزِ عمل مرید کا بھی ہونا چاہیے کہ اس کا کوئی اپنا ارادہ اور اختیار باقی نہ رہے وہ اپنی ذات اور مال میں بھی شیخ کے مشورہ اور حکم کے بغیر تصرف نہ کرے..... شیخ کے سامنے بالکل خاموش بیٹھا رہے اور ان کے روبرو کوئی اچھی بات بھی نہ کہے جب تک کہ وہ شیخ سے اجازت طلب نہ کرے اور اس طرف سے اجازت نہ ملے.....

شیخ کے سامنے مرید کا یہ طرزِ عمل ہو کہ وہ تو اونچی آواز سے بولے نہ بہت ہنسے اور نہ بہت گفتگو کرے [1]

ان آداب کے علاوہ مشائخ چشت میں پیر کو سجدہ کرنے کی بھی رسم رہی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے اس کا جواز اس طرح دیا ہے کہ پچھلی امتوں میں بادشاہوں، استادوں اور پیغمبروں کے لیے یہ سجدہ مستحب تھا۔ رسول اللہ کے زمانہ میں جب یہ منسوخ ہو گیا تو اس نسخ سے صرف اس کا استحباب جاتا رہا اس کا مباح ہونا باقی ہے اور مباح چیز کی ممانعت کہاں آئی ہے [2]

اس احترام و عقیدت سے جو فوائد مرید اور دیگر وابستگان کو حاصل ہوتے ہیں اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت شبلی کے معتقدین ایک روز جب ان کے پاس سے اٹھ کر جانے لگے تو

---

[1] عوارف ص ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۱ [2] فوائد الفواد ص ۳۱۵؛ سیر الاولیاء ص ۳۴۱۔ (تصوف، ص ۱۶۴-۱۶۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے ان کی طرف رخ کر کے کہا:

جاؤ! میں تمہارے ساتھ ہوں تم جہاں کہیں بھی ہو، تم میری نگرانی اور پاسبانی میں ہو۔

شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ:

میرے ساتھیوں، مریدوں اور چاہنے والوں میں سے جو بھی قیامت تک اپنی سواری پر سے لغزش کھائے گا میں اسے تھام لوں گا۔

حضرت نظام الدین اولیا، جب دہلی کے لیے عازم سفر ہوئے تو راستہ میں جہاں شیر یا چوروں کا خطرہ محسوس ہوتا ان کے ہم سفر کہتے:

اے پیر حاضر ہوئیے، ہم آپ کی حفاظت اور پناہ میں سفر کر رہے ہیں۔

شیخ ابوالحسن خرقانی کے متعلق روایت ہے کہ تاجروں کی ایک جماعت نے سفر تجارت میں اپنے جان و مال کی حفاظت کے لیے ان سے کوئی دعا پوچھی تو فرمایا کہ جب کوئی خطرناک موقع پیش آجائے تو فوراً میرا نام لے لینا۔ اثنا سفر میں ان کا سامنا رہزنوں سے ہوا تو جن لوگوں نے اس وقت شیخ کا نام لیا وہ محفوظ رہے اور جنھوں نے خدا کا نام لیا اور آیتیں اور دعائیں پڑھیں وہ ہلاک ہو گئے[1]

یہ تو ہوا دنیاوی مفاد، رہا آخرت کا معاملہ تو پیر کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ شفاعت کریں گے، ضروری ہوا تو اس وقت تک خود بھی جنت میں نہیں جائیں گے جب تک مریدوں کی مغفرت نہ ہو جائے۔

خواجہ اویس قرنی کا قصہ تو آپ پڑھ ہی چکے کہ انھوں نے اس امت کے کتنے لوگوں کی مغفرت کرائی۔ شیخ نظام الدین اولیا، نے ہر کس و ناکس سے بیعت لینے کی ایک خاص وجہ یہ بتائی کہ ان کے شیخ حضرت فریدالدین گنج شکر نے انھیں اس کا اطمینان دلایا ہے کہ ان کے مریدوں کو اپنے ہمراہ لیے بغیر خود بھی جنت میں قدم نہ رکھیں گے۔

حضرت حاتم اصم کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے ایک بار حضرت سے فرمایا کہ میں نے اپنے شاگردوں سے کہہ دیا ہے کہ جو قیامت کے دن دوزخیوں کی شفاعت

---

[1] اس قسم کے دیگر واقعات کے لیے دیکھئے۔ تصوف، ص ۱۶۷-۱۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے انھیں جنت میں نہ لے جائے وہ میرا شاگرد نہیں۔ اس پر حضرت بایزید نے کہا کہ میں نے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ میرا شاگرد نہیں جو قیامت کے دن کھڑا ہو کر ان تمام موحدین کو جنھیں دوزخ میں لے جانے کا حکم ہو ان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں جنت میں نہ لے جائے[1]

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیخ یا پیر ولی ہوتا ہے، اور ولی کے بارے میں صوفیا، کا وہی عقیدہ ہے جو شیعوں کا امام کے بارے میں ہے۔

صوفیا، کا کہنا ہے کہ ہر رسول، رسول ہونے کے ساتھ ولی بھی ہوتا ہے۔ بہ حیثیت رسول ظاہر دین کی اور بہ حیثیت ولی باطن دین کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کی ذات میں منصب رسالت اور منصب ولایت دونوں جمع ہوتے ہیں۔ شیخ ہجویری فرماتے ہیں:

تمام انبیا، اولیا، ہوتے ہیں، مگر کوئی ولی نبی نہیں بن سکتا[2]

اور شیخ اکبر کے نزدیک رسول، رسالت، نبوت، ولایت اور ایمان چاروں کا جامع ہوتا ہے[3] رسول کی ولایت کے وارث اور امین اولیا ہوتے ہیں جو خاص طور پر باطنِ دین کی تعلیم دیتے ہیں[4]

یہی بات شیعہ بھی کہتے ہیں کہ ہر رسول رسول ہونے کے ساتھ امام بھی ہوتا ہے اور اس کی امامت کے وارث ائمہ میں جو علم باطن کے امین ہوتے ہیں[5]

ان ائمہ کی مشہور صفات، یہ بیان کی گئی ہیں:

وہ زمین پر لوگوں کے لیے اللہ کی حجت (ثبوت) اور آیت ہوتے ہیں۔ پانچویں امام محمد الباقر سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اہل فلک کی سلامتی ستاروں کے دم سے اور اہل زمین کی آپ کے اہلِ بیت یعنی ائمہ کے دم

---

[1] تصوف، ۱۷۲-۱۷۳ [2] کشف المحجوب ص۲۹۳

[3] ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ رسول بہ حیثیت ولی افضل و برتر ہوتا ہے باعتبار اپنے نبی یا رسول ہونے کے۔ الفتوحات المکیہ، دوم، ص۵ ؛ فصوص الحکم، ص ۲۸۱ (تصوف، ۱۷۹، ۱۸۰)

[4] شاہ ولی اللہ صاحب کا اس سلسلے میں بیان آپ کی نظر سے گزر چکا ہے۔

[5] بعض شیعہ روایات میں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام ائمہ کے ناموں کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ دیکھئے، شیعی اسلام، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰

۱۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہے۔ اگر ستارے نہ رہیں تو اہل فلک پر اور ائمہ نہ رہیں تو اہل زمین پر آفت نازل ہو جائے۔ ان کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت ہے۔ یہ معصوم اور پاک ہیں۔ نہ غلطی کرتے ہیں نہ بغاوت یہی ہیں جو مدد کرتے ہیں، ان ہی کی بدولت فتوحات حاصل ہوتی ہیں یہی راہ ہدایت دکھاتے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے مخلوق کو رزق ملتا ہے، زمینیں سرسبز ہوتی ہیں، بارش ہوتی ہے، برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور گنہ گاروں اور سرکشوں کو فوراً سزا نہیں ملتی، مہلت دے دی جاتی ہے[1] اب دیکھئے کیا اولیاء کے اوصاف ائمہ سے کچھ مختلف ہیں شیخ ہجویری فرماتے ہیں:

> خداوند تعالیٰ کے اولیا، ہیں جنھیں دوستی اور ولایت سے خاص گردانا گیا ہے۔ اور وہ اس کے ملک کے والی ہیں جن کو اللہ عزوجل نے برگزیدہ کیا ہے اور اپنے فعل اور اظہار کا نشانہ گردانا ہے اور طرح طرح کی کرامتوں سے خاص کیے گئے ہیں اور طبعی آفتوں سے ان کو پاک گردانا گیا ہے اور نیز نفس اور ہوا کی پیروی سے ان کو خلاصی دی ہوئی ہے ..... ہم سے پہلے گذشتہ زمانے میں بھی ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں اور ہم سے پیچھے بھی قیامت کے دن تک ہوتے رہیں گے.....
>
> پس خداوند تعالیٰ نے برہان نبوی کو آج کے دن تک باقی رکھا ہے اور اولیا، کو اس کے اظہار کا سبب گردانا ہے تاکہ ہمیشہ خدا کی آیتیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیلیں ظاہر ہوں اور بالخصوص ان کو جہان کا والی بنایا ہے ..... آسمانوں سے ان کے قدموں کی برکتوں سے باران رحمت نازل ہو.....

اور ان ہی کی برکت سے زمین سرسبز ہوتی ہے اور کافروں پر فتح حاصل ہوتی ہے[2] شیخ سہروردی مشائخ کی برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر میں زمین کے باشندوں کو سزا دینا چاہوں یا ان پر کوئی عذاب نازل کروں تو انھیں یاد کر کے دنیا والوں سے عذاب کو لوٹا

---

[1] شیعی اسلام، ص ۱۴۸   [2] کشف المحجوب، ص ۲۶۴-۲۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا ہوں[1]

تصور ولایت پر تفصیلی بحث ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی (م ۸۹۸ء) نے اپنی کتاب ختم الولایہ میں کی ہے اسی سے شیخ ہجویری اور دوسرے صوفیہ نے استفادہ کیا ہے مختصر یہ کہ بقول شیخ ہجویری اولیاء کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے جو:

> چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی اپنے حال کی خوبی کو جانتے ہیں اور تمام احوال میں اپنے آپ سے اور نیز مخلوقات سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ لیکن وہ جو حل اور عقد کے مالک اور خدا کی بارگاہ کے سپاہی ہیں تین سو ہیں جنھیں اخیار بھی کہتے ہیں اور چالیس دوسرے ہیں جنھیں ابدال کہتے ہیں اور سات اور ہیں جنھیں ابرار کہتے ہیں اور چار اور ہیں جنھیں اوتاد کہتے ہیں اور تین دوسرے ہیں جنھیں نقباء کہتے ہیں اور ایک اور ہے جسے قطب اور غوث بھی کہتے ہیں اور یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور کاموں میں ایک دوسرے کے محتاج بھی ہیں[2]

اس تصور کو صوفیاء نے عملی شکل اس طرح دی کہ دنیا کو بہت سے علاقوں (ولایتوں) میں تقسیم کر دیا اور ہر علاقہ ایک ولی کی نگرانی میں دے دیا گیا، اور وہی اس علاقے کے تمام انتظامی امور کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ اس نظام کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر نظامی رقم طراز ہیں:

> منظم اور موثر طریقے پر کام کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ہر شخص کا دائرہ عمل واضح اور متعین ہو۔ اس ضمن میں تصور "ولایت" مددگار ثابت ہوا اور مخصوص علاقائی ذمہ داری کے ساتھ مشائخ کے منظم گروہ اسلامی دنیا کے پیچ پیچ پر پھیل کر اصلاح و تربیت کے کام میں مصروف ہو گئے ... "ولایت" اور "قطب و ابدال" کے تصور کا اصل مقصد چھوٹے بڑے علاقوں میں ایک روحانی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ منظم طریقہ پر کام کرنا تھا[3]

---

[1] عوارف، ص ۲۳۰، ۱۴۹ — [2] کشف المحجوب ص ۲۶۵ — [3] مشائخ چشت، صفحہ ۱۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر صاحب کی توجیہ اپنی جگہ لیکن مشایخ نے جو تاثر دیا ہے وہ یہ ہے کہ مخصوص علاقے کے لوگ وہاں کے شیخ (یا ولی) کی پناہ میں ہوتے تھے۔ خود پروفیسر موصوف ہی نے سیر الاولیاء سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ جب خواجہ معین الدین اپنے مرید خاص شیخ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی سے اپنے ہمراہ اجمیر لے جانے لگے تو "تمام اہل شہر" ان کے پیچھے نکل آئے۔ یہ دیکھ کر خواجہ صاحب نے شیخ بختیار سے فرمایا:

> برو ایں شہر را در پناہ تو گذاشتیم: جاؤ میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا۔[1] پھر ایک اور جگہ (ص۲۷۷) شیخ نظام الدین کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے بابا فرید اور دوسرے چند مشایخ کے بارے میں فرمایا کہ بہت سے لوگ ان کے پاس آتے اور اپنے تئیں ان عاشقان خدا کی پناہ میں ڈال دیتے تھے۔

مزید فرمایا:

> اگر خدا تعالیٰ کا ایک محبوب اور پسندیدہ شخص ایک جہان کے گناہگاروں کو اپنے سایۂ حمایت میں لینا چاہے، تو لے سکتا ہے۔

اس قسم کی باتوں کا مریدوں اور عوام پر یہ اثر ہوا کہ یہ خود کو ان بزرگوں کی پناہ میں سمجھنے لگے اور ہر مصیبت کے وقت "یا پیر" اور "یا غوث" پکارنے لگے، اور ان میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ ان کی تمام دینی اور دنیاوی ضروریات "پیر صاحب" ہی پوری کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ ان بزرگوں کی حیات ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہا ہے اور جس نے قبر پرستی کی شکل اختیار کر لی ہے جہاں ہزارہا مرید اور عقیدت مند مختلف نذرانے پیش کرنے کے بعد جو کچھ کرتے ہیں وہ سب کو معلوم ہی ہے ــ دست بستہ قیام، رکوع و سجود، قعدہ و طواف اور پھر کس کس طرح اور کیا کیا دعائیں صاحب مزار سے مانگی نہیں جاتیں۔ جب ان تمام چیزوں کی تعلیم خود صوفیاء کرام نے دی ہے تو انھیں "گم راہیاں" سمجھنے اور تصوف سے خارج کرنے کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟

تصوف کی حقیقت

یہ ہے وہ تصوف جس کی ہزاروں تعریفیں کی گئی ہیں۔ کوئی اسے اسلام کی روح

[1] مشائخ چشت ص۲۰۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتاتا ہے تو کوئی علم احسان، کوئی محبت الٰہی سے تعبیر کرتا ہے تو کوئی خدمت خلق سے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تصوف دیگر مذاہب کی طرح کوئی مستقل مذہب نہیں ہے۔ جس کے بنیادی اصول ایک خاص شخص نے متعین کیے ہوں، نہ اس کی کوئی مستند کتاب ہے جو معیار بن سکے۔ یہ دراصل مجموعہ ہے مختلف عقائد و نظریات کا۔[1] اس کا سارا نظام شیعیت کی بنیاد پر قائم ہے، اس کی ساری عمارت شیعی نقشے کے مطابق تعمیر ہوئی ہے لیکن اس میں "سُنی" عقائد و نظریات بھی شامل ہیں، عیسائیت کے اصول بھی ہیں، بدھ مذہب اور ہندو مذہب، یونانی فلسفے کے اثرات بھی ہیں۔ ان سب عناصر کے مجموعے ہی کا نام تصوف ہے۔

جس طرح اردو زبان ایک رابطے کی زبان کی حیثیت سے وجود میں آئی، اس میں عربی الفاظ و تراکیب بھی ہیں، فارسی الفاظ بھی ہیں، ہندوستانی زبانوں اور متعدد بیرونی زبانوں کے الفاظ و محاورے بھی، اسی طرح تصوف کا بھی نشو و نما ہوا ہے۔

اردو زبان میں بھی عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت ہے تو اردو زبان کو یوں تقسیم نہیں کر سکتے کہ یہ "عربی اردو" ہے اور یہ "فارسی اردو" ہے۔ ٹھیک اسی طرح اسلامی یا غیر اسلامی عناصر کی بنا پر تصوف کی تقسیم اس طرح نہیں کر سکتے کہ یہ اسلامی تصوف ہے اور یہ غیر اسلامی یا مسخ شدہ تصوف ہے، کیونکہ تصوف تو نام ہی اسلامی اور غیر اسلامی عقاید کے مجموعے کا ہے۔

اگر آپ نے یہ کوشش کی کہ اردو زبان سے تمام بیرونی زبانوں کے الفاظ خارج کر دیں تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ اگر آپ نے اس میں سے عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی زبان کے تمام الفاظ نکال دیئے تو پھر اردو کا وجود ہی کہاں باقی رہے گا!

ٹھیک اسی طرح اگر آپ نے تصوف سے شیعی اور تمام غیر اسلامی عناصر نکال دیے تو پھر تصوف کا وجود ہی ختم ہو جائے گا اور صرف اسلام کے چند اصول باقی رہ جائیں گے۔ اس لیے اگر آپ تصوف کو قبول کرتے ہیں تو ان تمام غیر اسلامی عقائد و نظریات کو بھی قبول کرنا ہوگا، جو اس کے وجود سے لپٹے ہوئے ہیں اور جو کسی طرح بھی اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔

(ختم شد)

---

[1] بلکہ متضاد باتوں کا اور اس تضاد کی وجہ حضرت شبلی نے یہ بتائی ہے: "ہم کبھی عالم بے خودی میں ہوتے ہیں اور کبھی خودی میں۔" (تذکرۃ اولیاء، ۳۱۸) اور جو کچھ یہ "عالم بے خودی" میں کہتے ہیں اسی سے ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

© rasailojaraid.com